منہاج القرآن : از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

مصنف کے خیال میں اس وقت پورا عالم اُس جاہلیت سے بھی زیادہ تیرہ و تاریک جاہلیت میں گرفتار ہے جس سے نکالنے کے لیے قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا مرکزی نقطہ قرآن کا تصورِ انقلاب ہے اور یہ کتاب اس سلسلے میں طویل تفکر کا وہ ثمر ہے جس میں اُن کے اساسی تصورات کا پورا نظام واضح ہو کر سامنے آگیا ہے۔ آج ہماری دینی حمیت کا تقاضہ یہ ہے کہ دورِ جدید کی جاہلیت کے چیلنج کو قبول کر کے اس کی اصلاح کے لیے قرآنِ کریم ہی سے رہنمائی طلب کریں۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جب علم بالوحی انسانی استعداد کے زائیدہ علم کے نمونے پر ڈھلا تو وہ تفسیر، تعبیر، تاویل، توجیہہ اور تعلیل کا علم بن کر رہ گیا اور قرآن صرف اوامر و نواہی کا ضابطہ ہی متصور ہو سکا۔ اس لیے وقت کے ساتھ جب مؤثرات زندگی بدل گئے تو زندگی کے تقاضے قانون کی خلاف ورزی کے بغیر پورے نہ ہو سکے۔ اس صورتِ حال سے نکلنے کا راستہ بھی اسی کتاب میں تجویز ہوا ہے جو قارئین کے لیے علم و فکر کے نئے افق وا کرتا ہے۔

کل صفحات ۲۸۸ ———— قیمت ۹۰ روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

محمد آفتاب شیخ

یورپی نوزائیدہ مسلم ریاست بوسنیا
اور
عالمِ اسلام

" شاید مسلمان قوم جلد ہی اپنا وجود کھودے کیونکہ جنگ کی صورت میں وہ یہاں اپنا دفاع نہیں کرسکتی۔"[1]

یوگوسلاویہ کی نو آزاد مسلم ریاست "بوسنیا" کے مستقبل اور موجودہ سیاسی حالات کا اندازہ مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات یوگوسلاویہ کی عیسائی ریاست، سربیا، کے ایک سیاسی لیڈر راڈون کرازک (Radowan Karadzic) نے اپنی پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے کہی ہے۔

یوگوسلاویہ میں سربیا اور کروشیا کی عیسائی ریاستیں مسلم ریاست بوسنیا کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے بوسنیا ان دونوں ریاستوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ دونوں ریاستیں علاقائی لحاظ سے توسیع پسندانہ اور سیاسی لحاظ سے حاکمانہ عزائم رکھتی

ہیں۔ ان کے غاصبانہ عزائم کی وجہ سے علاقے میں سخت کشیدگی کے بعد اب خانہ جنگی شروع ہوچکی ہے۔ سربیا اور کروشیا کی وطن پرست سیاست اور عظیم فوجی قوت نے بوسنیا اور یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کا وجود خطرے میں ڈال دیا ہے۔ یہ دراصل سہ قومی جنگ ہے جو نسلی اور وطنی بنیادوں پر لڑی جا رہی ہے۔ اس جنگ میں سربیا اور کروشیا کے عیسائی اور بوسنیا کے مسلمان شریک ہیں۔

سربیا کو یوگوسلاویہ کی 'پیپلز آرمی' کی حمایت حاصل ہے۔ سربیائی اور کروشیائی فوجوں کی لڑائی کے نتیجے میں بوسنیا کے مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان اُٹھانا پڑ رہا ہے، کیونکہ بوسنیا کے علاقے میں کروشیائی اور سربیائی باشندوں کی موجودگی نے مسلمانوں پر دوسری جنگ مسلط کر دی ہے۔

بوسنیا کے صدر 'علی جا' نے یوگوسلاویہ کی پیپلز آرمی کی بوسنیا ہرزی گووینا کے خلاف اشتعال انگیز کارروائیوں پر سخت احتجاج کیا ہے۔ پیپلز آرمی خانہ جنگی کو روکنے کی بجائے بوسنیا کے 'سٹلک' اور 'سروکی برے یجنگ' نامی شہروں پر گولہ باری اور راکٹوں سے حملے کر رہی ہے جس کے نتیجے میں بوسنیا دوسری جنگِ عظیم کے بعد ایک مرتبہ پھر جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ اگر یہ جنگ جاری رہی تو بوسنیا کا علاقہ دونوں ریاستوں کے قبضے میں جا سکتا ہے۔ ایک طویل جدوجہد اور قربانیوں کے بعد مسلمانوں نے جس حق کو قانوناً حاصل کیا ہے، اس سے وہ دوبارہ محروم ہو سکتے ہیں۔

یوگوسلاویہ میں ۱۹۸۹ء - ۱۹۹۰ء میں پہلے آزادانہ کثیر الجماعتی انتخابات منعقد ہوئے جس میں مسلمانوں نے ووٹ کی قوت کے ذریعے اپنے علیحدہ وجود اور قومی حیثیت کو منوایا۔ یہاں ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک کمیونسٹ اقتدار قائم رہا ہے۔ جب اس نظام کا خاتمہ ہوا تو پورا ملک سوویت یونین کی طرح اچانک اقتصادی اور سیاسی بحران کا شکار ہو گیا۔

اس وقت مسلم اُمّہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کو اور بالخصوص بوسنیا کو جنگ کی آنچ سے بچانے اور ان کا سیاسی مقام استوار کرنے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے۔

بوسنیا کی آبادی، رقبہ اور محلِ وقوع

بوسنیا ایک تاریخی جمہوریہ ہے۔ اس کا سرکاری نام "بوسینا ہرزی گودینا" ہے۔ یہ یوگوسلادیہ کی چھ جمہوریاؤں میں سے ایک ہے، اس کا رقبہ اکاون ہزار ایک سو انتیس مربع کلومیٹر (۵۱۱۲۹ SQ KM) ہے۔ بوسنیا ہرزی گودینا کا علاقہ یورپ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ جو جزیرہ نمائے بلقان کا وسطی حصہ ہے۔ اس کی سرحدیں شمال مغرب میں جمہوریہ کروشیا اور جنوب مشرق میں سربیا اور مونٹینگرو سے ملتی ہیں۔ اس کا بیس کلومیٹر (۲۰ KM) خطۂ ارضی بحیرۂ ایڈریاٹک سے متصل ہے۔

بوسنیا کی کل آبادی پینتالیس لاکھ چون ہزار نو سو گیارہ (۴۳،۵۴،۹۱۱) نفوس پر مشتمل ہے جس میں اُنیس لاکھ نو ہزار اٹھارہ (۱۹،۰۹،۰۱۸) یعنی تینتالیس اعشاریہ سات فی صد (۴۳،۷ %) بوسنیائی مسلمان ہیں، جب کہ تیرہ لاکھ چونسٹھ ہزار تین سو تریسٹھ (۱۳،۶۴،۳۶۳) یعنی اکتیس اعشاریہ تین فی صد (۳۱،۳ %) سربیائی اور سات لاکھ باون ہزار اڑسٹھ (۷،۵۲،۰۶۸) یعنی سترہ اعشاریہ تین فی صد (۱۷،۳ %) کروشیائی شامل ہیں۔

۱۹۷۱ء، ۱۹۸۱ء اور ۱۹۹۱ء کی سرکاری مردم شماری کے مطابق بوسنیا کے مسلمانوں کو تعداد کے اعتبار سے یوگوسلادیہ کی تیسری بڑی قوم تسلیم کیا گیا ہے۔[۲]

بوسنیا کی تاریخ اور زبان

بوسنیا کا سیاسی، تاریخی اور علاقائی وجود کم و بیش ایک ہزار سال پہلے قائم ہوا۔ یہاں ازمنۂ وسطیٰ کے آغاز میں اسلام پھیلا۔ پندرھویں صدی میں ترکوں نے اس علاقے کو فتح کیا۔ اس وقت بوسنیا میں ایک عیسائی فرقہ تھا جسے بوگومیلی کہا جاتا تھا۔ اس فرقے کے دس لاکھ افراد نے بہ رضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ترکوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں فروغِ اسلام کے لیے طاقت کا استعمال نہیں کیا۔

بوسنیا کی تاریخ و ثقافت میں رومی عیسائیت اور مشرقی روایت پسندی کے اثرات نمایاں ہیں۔ علاقائی طور پر بوسنیا ہرزی گووینا چونکہ دو بڑی تہذیبوں کے سنگم پر واقع ہے، اس لیے اپنی تمام تاریخ میں اس نے مشرق و مغرب کی تہذیبوں کے لیے ایک درمیانی واسطے کے طور پر نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ اس کی تہذیب و ثقافت دونوں تہذیبوں کے اثرات لیے ہوئے ہے اور ان اثرات کی آمیزش سے اس کی تہذیب میں متعدد دیگر خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں، تاہم مذہبی اعتبار سے صوفیائے کرام کی دینی و روحانی تعلیمات کے باعث یہ قوم (ترکی کے برعکس) اپنے اسلامی مرکزِ ثقل سے نہیں ہٹی۔

بوسنیا کے مسلمان قدیم صدیوں سے ہی ایک الگ ثقافتی جماعت کی حیثیت سے اپنا تشخص برقرار رکھے ہوئے ہیں، اس لیے فطری طور پر اُن کی مادری زبان بھی ایک مکمل تہذیبی زبان ہے۔ یہ زبان اپنا رسم الخط رکھتی ہے جو ابتدا میں عربی رسم الخط سے بہت قریب تھی۔ صدیوں پر محیط ثقافتی ورثے اور آلۂ اظہار کے لحاظ سے بھی یہ ایک مکمل زبان ہے۔ بوسینا کے مسلمانوں کے سیاسی، ثقافتی اور مذہبی تجربات مختلف ہونے کی وجہ سے ان کی زبان کی باطنی ماہیت کروشیائی اور سربیائی زبانوں سے مختلف ہے۔

اس زبان میں قابلِ قدر علمی و ادبی کام موجود ہے۔ یہ علم و فن کے بیشتر معیارات پر پوری اترتی ہے اور جدید زبانوں کی طرح لسانی وسعت کی حامل ہے۔ بوسینا کے مسلمانوں کی ادبی تخلیقات کا تسلسل ان کی مادری زبان میں لوک موسیقی، رزمیہ شاعری اور دوسری سینہ بہ سینہ ادبی روایات کی شکل میں محفوظ رہا ہے۔

بیسویں صدی کے اوّل نصف تک اس زبان کی نشوونما علیحدہ روش پر ہوتی رہی ہے، لیکن اس کے بعد باقاعدہ سازش کے تحت اس کے تشخص کو مٹانے کی کوششیں کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں "بوسینیائی زبان" کی شناخت کو بہت حد تک نقصان پہنچا ہے۔ یہ واقع لسانی وجوہ کے باعث نہیں ہوا بلکہ یہ سیاسی ہتھکنڈوں کا نتیجہ تھا۔ بالکل اُسی طرح جیسے بیسویں صدی میں بوسنیا کے مسلمانوں کا وجود یوگوسلاویہ کے سماجی منظر سے غائب کر دیا گیا تھا۔[۵۳]

یوگوسلاویہ کے مسلمانوں پر ظلم کی داستان

دُنیا اس حقیقت سے کم ہی آشنا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران ایک قدیم اور مغرور یورپی قوم نے بوسنیا کے مسلمانوں کو ناقابلِ یقین تعداد میں قتل کیا۔ یوگوسلاویہ میں یہودیوں کے بعد سب سے زیادہ جس قوم کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا وہ مسلمان تھے۔ بغداد میں ہلاکو خاں کی فوجوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتلِ عام کی الم ناک داستانیں مغربی مصنفین کی کتابوں میں بھی مل جاتی ہیں، لیکن یورپ کی سرزمین پر عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے خون سے کھیلی گئی ہولی کا ذکر کہیں نہیں ملتا، جو بغداد میں ڈھائے گئے مظالم سے کہیں زیادہ ہولناک اور غم ناک ہے۔

۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء کے دوران صرف یوگوسلاویہ میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو موت کی نیند سُلا دیا گیا۔ بوسنیا کے مسلمانوں کی نسل کُشی کا آغاز آسٹریا اور وینیشین (Venetian) کی سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ جنگوں سے ہوا۔ ان جنگوں میں سلطنتِ عثمانیہ نے ہنگری، سلاونیا، لائیکا، ڈلماشیا اور لوکا کے علاقے کھو دیے تھے۔ سلطنتِ عثمانیہ کی ان علاقوں سے پسپائی کے بعد یہاں کے بسنے والے مسلمان محفوظ مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہنے تھے اس لیے عیسائیوں نے اُنھیں انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا۔ اس جنگ نے بوسنیا کے مسلمانوں کے لیے بھی عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ اس موقعے پر یورپ کی تاریخ کی سب سے بڑی نسل کُشی عمل میں لائی گئی۔ ان علاقوں کے مسلمانوں کو صرف اس لیے قتل کیا گیا کہ وہ غیر عیسائی تھے، بہت سے ایسے قصبوں اور دیہاتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا، جہاں مسلم ثقافت کی خصوصیات موجود تھیں۔ مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو یا تو مار دیا گیا یا پھر زبردستی عیسائی بنا لیا گیا۔ تمام علاقے غیر عیسائی آبادی سے صاف کر دیے گئے۔ مہاجرین کے گروہوں کے گروہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر نئی پناہ گاہوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ جنگ سے پہلے آسٹریا کے بادشاہ کارل پنجم نے ایک سرکاری اعلامیے میں بوسنیا کے مسلمانوں کو اپنی حمایت کی شرط پر ان کی جان و مال کے تحفظ کا یقین دلایا تھا۔ تاہم اس سے پہلے بادشاہ کا ایک واضح بیان موجود تھا کہ وہ اپنی سلطنت میں عیسائیت کے سوا

کسی دوسرے مذہب کو برداشت نہیں کرے گا۔

سترھویں صدی کے نصف آخر میں قدیم مونٹینگرو میں ایک ہزار مسلمان آباد تھے جو ۱۷۱۲ء کے بعد اچانک لاپتا ہو گئے۔ دراصل ان تمام مسلمانوں کو انتہائی سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ وہاں چھ مساجد موجود تھیں جن میں سے اب ایک بھی محفوظ نہیں لیکن ان کے نام اور محلِ وقوع ابھی تک زندہ ہیں۔

اسی طرح انیسویں صدی کے اوائل میں بیس ہزار مسلمان بلغراد پشادم (سربیا کا قدیم نام) میں آباد تھے۔ یہ مسلمان "ترک" کہلاتے تھے۔ سٹوجان، سربیا کے ایک مورخ اور سیاستدان کے مطابق ایک منظم اپریشن کے ذریعے اُن تمام مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ بلغراد پشادم میں قائم دسیوں مساجد اور سکولوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اس وحشیانہ قتلِ عام اور لوٹ مار کا سلسلہ دو مہینوں تک جاری رہا۔

۱۸۵۲ء میں دریائے لِم کی وادی مونٹینگرو میں اجتماعی طور پر مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ انتقالِ مذہب کا یہ عمل ریاست مونٹینگرو کی جانب سے وقوع پذیر ہوا۔ آرتھوڈوکس چرچ کے شرعی قوانین کے مطابق عیسائی نام عطا کرنے کی رسم چرچ میں پادری کی موجودگی میں انفرادی طور پر ادا کی جاتی ہے۔ لیکن اس موقع پر یہ رسم کھلے میدان میں قبائلی سرداروں، فرانسیسی مسلح سپاہیوں اور دوسرے حکام کی موجودگی میں اجتماعی طور پر ادا کی گئی۔

جب ۱۸۷۸ء میں برلن کانگرس کے فیصلے کے تحت سربیا اور مونٹینگرو کو ریاستی خودمختاری دی گئی تو سربیا اور مونٹینگرو نے اپنے علاقوں میں ایسے اضلاع اور قصبات بھی شامل کر لیے جن میں ہزاروں مسلمان آباد تھے۔ ان ریاستوں نے مسلمانوں سے معمولی سی مذہبی رواداری کا مظاہرہ بھی نہ کیا بلکہ ان کا جینا دوبھر کر دیا، جس کی وجہ سے کم و بیش تمام مسلم آبادی سربیا اور مونٹینگرو سے نقلِ مکانی کر کے بوسنیا، سنجاک، کوسوو اور البانیا میں آباد ہو گئی۔

آج کل سنجاک کے علاقے کا کچھ حصہ سربیا اور مونٹینگرو میں واقع ہے، یہ بھی مسلم اکثریتی علاقہ ہے۔ اس کی کل آبادی کا ستاون فی صدی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ سنجاک ایک سیاسی ،

تاریخی اور ثقافتی وحدت کی حیثیت سے عہدِ عثمانی میں معرضِ وجود میں آیا۔ سنجاک کی سرحدیں بوسنیا ہرزی گووینا سے بھی ملتی ہیں۔ انتظامی لحاظ سے سنجاک ایک الگ خطہ ہے لیکن مذہبی معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے بوسنیا کے مسلمانوں سے باہم مربوط ہے۔

۱۸۷۸ء میں جب آسٹریا اور ہنگری نے بوسنیا ہرزی گووینا پر قبضہ کیا تو بوسنیا کے مسلمانوں نے اس قبضے کے خلاف شدید مزاحمت کی لیکن اُنھیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی، اُنھیں مجبوراً خود کو حالات کے حوالے کرنا پڑا۔ اس قبضے کے کئی سالوں کے بعد بوسنیا کے مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ اپنا سب کچھ کھو چکے ہیں۔ وہ حاکموں کی سماجی، ثقافتی اور مذہبی تبدیلیاں قبول کرنے پر مجبور تھے۔ صدیوں سے اسلامی تہذیب و ثقافت کا وارث ہوتے ہوئے بھی وہ مغربی تہذیب کا حصہ بنتے جا رہے تھے۔ چنانچہ نئے حالات کی سختیوں نے انھیں ترکی جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق بوسنیا کے ہر تیسرے شہری نے اپنا آبائی گھر چھوڑا اور ترکی یا مشرقِ وسطیٰ کے کسی ملک کی طرف ہجرت کر گیا۔

دوسری جنگِ عظیم (۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۵ء) کے دوران چٹنک تحریک کے تحت کروشیا کی فاشسٹ حکومت نے بوسنیا کے مسلمانوں کو قتل کرنے کی مہم چلائی۔ اس مہم کے تحت مسلمانوں کو وحشت ناک نسل کشی کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ قتل و غارت یورپ کی تاریخ کی سب سے زیادہ خونچکاں داستان ہے۔ اس قتلِ عام کا ایک محرک مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا انتقام لینا بھی تھا۔ ان چار سالوں میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ قاتلوں نے بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جوانوں میں کوئی امتیاز نہ کیا۔ مسلمانوں کے گھروں میں گھُس کر اُنھیں ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا گیا، عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں، زندہ رکھا گیا لیکن ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں۔ کھیتوں اور عمارتوں کو ان کے مکینوں سمیت جلا دیا گیا۔ مسلمان خواتین اپنے چہروں کو ڈھانپتی ہیں، اس روایت سے نفرت کی خاطر ان کے چہروں سے کھال نوچ لی گئی، اسی طرح وضو کو نشانہ بناتے ہوئے ہاتھوں سے کہنیوں تک کھال کھینچ لی گئی۔ ان کے بچوں کو چٹانوں پہ پٹخ پٹخ کے ہلاک کیا گیا۔ ذبح شدہ لاشوں کو یا تو دریاؤں میں پھینک دیا گیا یا کئی مہینوں تک میدانوں میں بے گور و کفن پڑا رہنے دیا گیا۔ سیاسی قیدیوں

کے لیے بنائے گئے نازی کیمپ موت کے کارخانے بن چکے تھے، جہاں انسانی جانوں کی قدر و قیمت جانوروں سے بھی کم تر ہو کر رہ گئی تھی۔ قیدیوں کو رجسٹر نمبر کے ذریعے شمار کیا جاتا تھا اور بے کار چیزوں کی طرح مشینی انداز میں ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اُن مظالم سے بچ جانے والوں کی زبان سے یہ دل ہلا دینے والے واقعات سُن کر آج بھی رگوں میں خون منجمد ہو جاتا ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کا عرصہ بوسنیا اور سنجاک کے مسلمانوں کے بہیمانہ قتل و غارت اور ان کی ثقافت و معاشرت کے منظم بگاڑ کی دو سو پچاس سالہ تاریخ کا آخری دَور ہے۔

یوگوسلاویہ کی سرزمین پر مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی کہانی پوری طرح فراموش نہیں ہو سکی ہے۔ وہ یادگاریں اور دستاویزات جن سے ماضی کے خونچکاں واقعات پایۂ ثبوت کو پہنچتے ہیں۔ ابھی بھی کسی نہ کسی شکل میں محفوظ ہیں۔ حالانکہ سٹالنی دورِ اشتراکیت میں مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی اقدار و اطوار کو نظر انداز کیا گیا اور ان کی مذہبی اور روحانی شناخت کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ بوسنیا کے مسلمانوں کے لیے نظامِ تعلیم اس انداز سے وضع کیا گیا کہ اُنھیں اپنے آبا و اجداد، ماضی، مادی اور روحانی ورثے، ادب اور اپنی روایات کے بارے میں کچھ علم نہ ہو سکے۔ مسلمان علما و مشائخ کو ایذائیں پہنچائی گئیں اور اُنھیں عدالتوں میں گھسیٹا گیا۔ صدیوں سے قائم مذہبی رسوم پر پابندی عائد کر دی گئی، مساجد کو شہید کر دیا گیا۔ مسلم طرزِ تعمیر کی عمارتیں ڈھا دی گئیں۔ اسلامی ناموں سے منسوب شاہراہوں اور گلیوں کے نام بدل دیے گئے۔ یہ اقدامات سربیائی پالیسی کی بنیاد پر کیے گئے جس کا مقصد مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا تھا۔[۵]

---

۵ اشتراکی نظام کے خاتمے کے بعد بوسنیا کے مسلمانوں کے حالات و واقعات پر مبنی درج ذیل کتاب ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

عالمی معاشی حالات اور بوسینیا

ایک طرف سوویت یونین کی پندرہ جمہوریاؤں کو ایک لڑی میں پروئے رکھنے والی اور دوسری طرف مشرقی یورپ اور افریقہ کے متعدد ممالک کو ایک ہی سیاسی چھڑی سے ہانکنے والی کمیونسٹ پارٹی بمشکل ایک انسانی عمر کے برابر زندہ رہی اور پھر اپنی طبعی موت مرگئی۔ سوویت یونین خود دُنیا کی ۶/۱ حصّہ سرزمین پہ چھایا ہوا تھا۔

دنیا کا کل رقبہ ۱۴۹ ملین مربع کلومیٹر ہے جس میں سے ۲۲ء۲۳ ملین مربع کلومیٹر رقبہ روس کے پاس تھا۔ اگر اس میں مشرقی یورپ اور دُنیا کے اُن ممالک کو بھی شامل کیا جائے جہاں اشتراکی نظام قائم تھا تو یہ کم و بیش دُنیا کے ۵/۱ حصّے پر محیط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سٹالنی اشتراکیت تحلیل ہونے اور اس کی آہنی گرفت ٹوٹنے کے بعد دُنیا کا ۵/۱ رقبہ آزاد ہوا چاہتا ہے۔ اس نظام سے بریت پانے والے ممالک نئی زندگی اور نئے نظام کے آرزومند ہیں۔ ان میں مسلم ممالک بھی شامل ہیں۔ معاشی طور پہ وہ 'فری اکانومی' کے خواہاں ہیں۔ سابقہ معاشی تجربات نے اُنھیں بدحالی اور فاقہ زدگی کی دہلیز پہ لا کھڑا کیا ہے۔ گویا جس سرمایہ دارانہ استحصالی نظام سے انسانیت کی فلاح کے نام پر فرار حاصل کیا گیا تھا، بالآخر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ اس وقت دُنیا میں کوئی ایسا تیسرا معاشی نظام موجود نہیں ہے جو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل ہو۔

حالات کی طویل ستم ظریفیوں کے بعد بوسنیا ہرزی گووینا بھی دُنیا کے سیاسی و معاشی منظر میں اپنا مقام تلاش کر رہا ہے۔ اسے تجارتی روابط اور ایک معاشی نظام کی ضرورت ہے بلکہ فی الوقت اقتصادی امداد اور کسی معاشی کفیل کی ضرورت ہے۔ یوگوسلاویہ کی یہ نوزائیدہ مسلم مملکت عالمِ اسلام کے لیے کئی اعتبارات سے بڑی دلچسپی کا باعث ہوسکتی ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے یہ علاقہ مشرق و مغرب کی سرحد پہ واقع ہے۔ عالمی اقتصاد اور تجارت کے پیشِ نظر یہ علاقہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوسکتا ہے۔

منڈیوں پہ اجارہ داری قائم کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ترقی یافتہ ممالک منڈیوں

پر گرفت مضبوط کر کے اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی سیاسی اور معاشی پوزیشن مستحکم کرتے ہیں۔ پھر اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کو اپنے زیر اثر کر لیتے ہیں۔ اس معاشی تسلط کے تحت وہ اپنے سیاسی نظریات اور اقتصادی پالیسیوں پر جبراً عمل درآمد کراتے ہیں اور یوں دُنیا پر راج کرتے ہیں۔

آج کمیونزم کے زوال کے بعد عالمی جنگ کے خطرات معدوم ہو چکے ہیں۔ امریکہ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کی صنعت کا بڑا حصّہ جو اسلحہ سازی اور ہیوی انڈسٹری کے لیے وقف تھا، بے کار ہو گیا ہے، جس سے ان ممالک پر معاشی دباؤ بڑھ گیا ہے، نیز دُنیا کے سیاسی حالات غیر متوقع طور پر تبدیل ہوئے ہیں جس سے عالمی سطح پر معاشی توازن بھی بگڑ گیا ہے۔ اب یہ تمام ممالک اس فکر میں ہیں کہ زندہ رہنے کے لیے کیا فروخت کیا جائے؟ کیسے فروخت کیا جائے اور کہاں فروخت کیا جائے؟ دوسرے لفظوں میں اب دُنیا کو مگ۔ ۲۰ اور ایٹمی میزائلوں کی جنگ کا خطرہ نہیں بلکہ ڈالر، ین اور مارک کا معرکہ درپیش ہے۔

کسی بھی کاروبار کا عام اصول ہے کہ اسے کامیابی سے چلانے کے لیے شوروم کی ضرورت ہوتی ہے۔ شوروم ایسی جگہ پر بنایا جاتا ہے جہاں راستہ بھی ہو اور خریدار بھی۔ لیکن وہاں دوسرے دکانداروں کی موجودگی میں اشیا کی قیمتوں کو مناسب سطح پر رکھنا پڑتا ہے۔ اگر اشیا کی پیداوار کے اخراجات کم کرنے ممکن نہ ہوں تو پوری مارکیٹ پر کنٹرول کے ذریعہ اپنی مرضی کی قیمتیں متعین کی جا سکتی ہیں۔ مارکیٹ پر کنٹرول حاصل کرنا انفرادی طور پر کسی ملک کے لیے اب بہت مشکل ہو چکا ہے۔ یہ اقتصادی اجارہ داری مشترکہ مفادات کے حامل ممالک بلاک بنا کر حاصل کرتے کی کوشش کر رہے ہیں، جس کی ایک مثال یورپی اقتصادی برادری ہے۔

اسی طرح ایران، ترکی اور پاکستان پر مشتمل اقتصادی تعاون کی تنظیم "ایکو" ۱۹۸۵ء میں وجود میں آئی تھی، اب اس تنظیم میں آذربائیجان، ترکمانستان، تاجکستان اور ازبکستان بھی شامل ہو چکے ہیں۔ اگرچہ یہ تنظیم دیگر معاشی اتحادوں کے مقابلے میں ابھی بہت پیچھے ہے لیکن امریکہ اور یورپی برادری اس اسلامی بلاک سے خوفزدہ ہے، کیونکہ مستقبل میں اس کی کامیابی

سے اُن کی دکان داری متاثر ہوتی ہے اور ان کے مقابلے میں ایک اور طاقت سامنے آجاتی ہے۔ اس طاقت کے نتیجے میں پھر امریکہ اور یورپی ممالک کی وہ حیثیت باقی نہیں رہتی اور نہ وہ دُنیا کے سیاسی و معاشی معاملات میں من مانی کرنے کے قابل رہتے ہیں۔ اُنھیں یہ بھی خطرہ ہے کہ مستقبل میں دیگر اسلامی ممالک بھی اس بلاک میں شامل ہو سکتے ہیں اور تب یہ ایک مؤثر اسلامی معاشی قوت کی شکل میں ابھر سکتا ہے۔ یہاں یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ یہ اسلامی اقتصادی بلاک محض علاقائی حدود میں اس قدر مؤثر اور مفید نہیں ہو سکتا جب تک اس کے معاشی روابط بین البراعظمی سطح پر قائم نہ ہوں اور بالخصوص یورپ سے تجارتی و اقتصادی رابطہ استوار نہ ہو۔

یہ تعلقات بین الاقوامی منڈیوں تک رسائی حاصل کرنے اور اپنی معاشی قوت کا احساس دلانے سے قائم ہو سکتے ہیں۔ یورپی منڈیوں تک رسائی اور سامانِ تجارت کی پیش کش کے لیے "شوروم" کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ "شوروم" ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں 'راستہ' بھی ہو اور 'خریدار' بھی۔ کیا یہ شرائط مشرقی یورپ کی نو آزاد مسلم ریاست بوسنیا پوری نہیں کرتی؟

شاید بوسینا "ایکو" کے لیے ایک "شوروم" اور یورپ کی طرف کھلنے والے "تجارتی کوریڈور" کا کام دے سکتا ہے۔ بوسنیا کی سرزمین دیگر اقتصادی مقاصد کے لیے بھی مشرق و مغرب کے مابین رابطے اور تعاون کی شاہراہ بننے کے امکانات رکھتی ہے۔ اس کی اہمیت یوں بھی دو چند ہو جاتی ہے کہ بحرۂ ایڈریاٹک بیس کلومیٹر تک اس کی سرحدوں کو آبی شاہراہ فراہم کرتا ہے جب کہ وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں لینڈ لاکڈ ہیں۔ "ایکو" کے ماہرین اقتصادیات بوسنیا کی جغرافیائی اور تجارتی افادیت کے بارے میں غور کر سکتے ہیں۔

اس وقت مشرقی یورپ (البانیہ، بلغاریہ) اور بالخصوص یوگوسلاویہ کے مسلمان مالی بدحالی کا شکار ہیں۔ اُنھیں سیاسی، مالی اور اخلاقی امداد کی ضرورت ہے۔ کمیونزم کے چنگل سے آزاد ہونے والی عیسائی ریاستوں کو عیسائی دُنیا کی حمایت حاصل ہو چکی ہے۔
لیکن نو آزاد مسلمان تاحال بیرونی امداد اور تعاون کے منتظر ہیں۔ اس بدنظمی اور طوائف الملوکی کی کیفیت میں وہ کسی بھی قوت کے حلقۂ اثر میں جا سکتے ہیں۔ ان کا ہر اُس ہاتھ کو تھ

لہٰذا عین فطری ہوگا جو انھیں موجودہ سیاسی اور مالی بحران سے باہر نکالنے کے لیے آگے بڑھے گا۔ یہ ہاتھ کسی غیر مسلم قوت کا بھی ہو سکتا ہے۔ ان مخدوش حالات میں محض اخوت و یک جہتی کا سبق ان کی ماضی کی تلخیوں اور مالی کی محرومیوں کا ازالہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ محض تاریخی، ثقافتی اور فکری مماثلت کے دعوے ان مفلوک الحال مسلمانوں کی توجہ اور التفات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس وقت ان کی ضرورت کوئی نعرہ یا نظریہ نہیں بلکہ روٹی کپڑا اور تحفظ ہے۔ انھیں جہاں سے بھی زندگی ملے گی وہ اُسی طرف رجوع کریں گے۔

بوسنیا ہرزی گووینا نے گذشتہ برس (۱۹۹۱ء) اپنی آزادی کا اعلان کیا تو عالمی سطح پر اس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا اور اقوام متحدہ میں بوسنیا کو رکنیت بھی دے دی گئی۔ لیکن یوگوسلاویہ کی ایک دوسری ریاست سربیا نے بوسنیا کی آزادی کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مُسلم بوسنیا کے حقِ خود ارادیت کو نہ صرف سیاست کی بساط پر دبانے کی کوشش کی بلکہ طاقت کے زور پر اسے ہڑپ کرنا چاہا۔ اس مقصد کے لیے سربیا نے ایک طرف یوگوسلاویہ کی پیپلز آرمی کی حمایت حاصل کی اور دوسری طرف بوسنیا میں بسنے والے سربیائی اور کروشیائی باشندوں سے رابطے کر کے اُنھیں " سربیا ــ بوسنیا الحاق " کے لیے آمادہ کیا۔ سربیا نے اُن باشندوں کو جدید اسلحہ اور فوجی ٹینک مہیّا کیے، جس کے بعد سربیا کی فوج اور بوسنیا کے مسلح سرب باشندوں نے بوسنیا کی مسلم آبادی کو مشق ستم بنایا اور اُنھیں خاک و خون میں نہلا دیا۔ عالمی طاقتوں کے بیدار ہونے تک سربیا بوسنیا کے دو تہائی حصّے پر قبضہ جما چکا ہے۔ شہری آبادیوں پر وحشیانہ بمباری کر کے بوسنیا کے بارہ ہزار بے گناہ شہریوں کو موت کی نیند سلا چکا ہے۔ ایک ملین سے زیادہ افراد کو بے گھر کر چکا ہے۔

سربیا کی ان غیر انسانی سرگرمیوں کے بعد بلجئم، فرانس اور برطانیہ نے اقوام متحدہ میں گذشتہ ہفتے ایک قرار داد پیش کی، جسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا ہے۔ اس قرار داد میں یوگوسلاویہ اور سربیا کی فوجوں سے کہا گیا ہے کہ وہ بوسنیا سے فوراً نکل جائیں اور تمام فریق اقوامِ متحدہ کے تحت ہونے والی جنگ بندی کا احترام کریں۔ یہ مطالبہ بھی

کیا گیا کہ یورپی برادری کی جانب سے اس مسئلے کے سیاسی حل کی کوششوں کے سلسلے میں تمام فریق تعاون کریں۔ اس کے بعد اسلامی کانفرنس کی تنظیم (O.I.C) نے بھی اسلامی ممالک سے کہا کہ بلغراد سے اپنے سفیر واپس بلا لیے جائیں اور سربیا سے سفارتی تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔ چنانچہ پاکستان نے فوراً ہی اپنے سفیر کو واپس بلا لیا ہے۔ سعودی عربیہ کی حکومت نے بوسنیا کے لیے پچاس لاکھ ڈالر کی امداد کا اعلان کیا ہے۔ اُدھر امریکہ اور بعض مغربی ممالک نے بلغراد پر سفارتی دباؤ ڈالا ہے اور سربیا کی اقتصادی امداد بند کرنے کی دھمکی دی ہے۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق بوسنیا میں عالمی امن فوج اتار دی گئی ہے اور سربیا نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا ہے۔

اس ضمن میں سترہ جون کو اسلامی ملکوں کے وزراء کی ترکی میں منعقد ہونے والی کانفرنس سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ ہم خدا سے دُعاگو ہیں کہ مسلم دُنیا بوسنیا کی امداد کے لیے کوئی ٹھوس اور قابلِ عمل منصوبہ تیار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

حواشی

۱ "بوسنیا اور بوسنیا کے مسلمان" (تعارفی پمفلٹ ا تا ۴)	شائع شدہ R. Mahmut cehajic' Sarajevo 1991.
۲ ایضاً	
۳ ایضاً	
۴ ایضاً	

The Genocide Against Muslims,
A Collection of Documents and Testimonies,